میں نقل کیا ہے۔

"یہ کہنا کہ زانی محصن کے حق میں سورۂ نور کی آیت الزانی والزانیۃ فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ کے حکم کو منسوخ کرنے والی چیز سنت قطعیہ ہے، زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس کے کہ آیت مذکورہ (الشیخ والشیخۃ) کو اس کا ناسخ قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہے کہ یہ آیت قرآن میں نازل ہوئی تھی پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ اگر حضرت عمرؓ نے خطبہ میں اس کا ذکر کیا اور لوگ خاموش رہے (جیسا کہ روایات میں بیان کیا جاتا ہے) تو یہ اس کا قطعی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اجماعِ سکوتی کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، اور وہ حجت ہو بھی تو ہم قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام مجتہد صحابہ اس موقع پر موجود تھے۔ پھر اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرف اس روایت کی نسبت بھی ظنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے، واللہ اعلم کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب شراحہ کو جلد اور رجم کی سزا دی تو کہا کہ میں نے اس کو کتاب اللہ کے مطابق کوڑے لگوائے ہیں اور سنت رسول اللہ کے مطابق رجم کرایا ہے۔ اس قول میں حضرت علیؓ نے رجم کے لیے منسوخ التلاوت آیتِ قرآنی کو حجت میں پیش نہیں فرمایا۔"

رہا نسخ تلاوت مع بقاء الحکم کا مسئلہ تو اس میں شک نہیں کہ علماء اصول نسخ کی اس قسم کا ذکر کرتے ہیں مگر میں اعتراف کرتا ہوں کہ انتہائی غور کرنے پر بھی اس مسئلے کو نہیں سمجھ سکا ہوں۔ نسخ تلاوت کے لیے اگر موزوں ہو سکتی تھیں تو وہ آیتیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہو، نہ کہ کوئی ایسی آیت جس کا حکم باقی ہو۔ کوئی صاحب علم بزرگ اس مسئلے پر تشفی بخش بحث فرمائیں تو شکریے کے مستحق ہوں گے۔

مُتعہ کی بحث

سوال۔ جناب نے رسالہ ترجمان القرآن میں سورۂ مومنون کی تفسیر کرتے ہوئے متعہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ اور دیگر چند صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ سب حضرات اضطراری صورت

میں متعہ کے قائل تھے۔ مگر تقریباً اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے حلتِ متعہ سے رجوع کر لیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ حضرت ابنِ عباس کا رجوع آپ کی نظر سے کیوں مخفی رہا۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ تمام صحابہؓ اور تابعین کا حرمتِ متعہ پر کامل اتفاق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے بھی متعہ کو حرام مانا ہے۔ لیکن اضطرار کی ایک فرضی اور خیالی صورت تحریر فرما کر اسے جائز ٹھیرا دیا ہے۔

امید ہے کہ آپ اپنی رائے پر نظرِ ثانی کریں گے۔ یہ اہلِ سنت کا متفقہ مسئلہ ہے

جواب۔ اس مسئلے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کا مدعا دراصل یہ بتانا ہے کہ صحابہ و تابعین اور فقہاء میں سے جو چند بزرگ جوازِ متعہ کے قائل ہوئے ہیں ان کا منشا اس فعل کا مطلق جواز نہ تھا، بلکہ وہ اسے حرام سمجھتے ہوئے بحالتِ اضطرار جائز رکھتے تھے، اور ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ تھا کہ عام حالات میں متعہ کو نکاح کی طرح معمول بنایا جائے۔ اضطرار کی ایک فرضی مثال جو میں نے دی ہے اس سے محض اضطراری حالات کا ایک تصور دلانا مقصود تھا تاکہ ایک شخص یہ سمجھ سکے کہ شیعہ حضرات کو اگر قائلین جواز کا مسلک ہی اختیار کرنا ہے تو انہیں کس قسم کی مجبوریوں تک اسے محدود رکھنا چاہیے۔ اس سے میں تو دراصل اُن لوگوں کے خیال کی اصلاح کرنا چاہتا تھا جنہوں نے اضطرار کی شرط اڑا کر متعہ کو مطلقاً حلال ٹھیرا لیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میرے طرزِ بیان سے آپ کی طرح بعض اصحاب کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ میں خود حالتِ اضطرار میں اس کو جائز قرار دے رہا ہوں، حالانکہ میں اس کی قطعی حرمت کا قائل ہوں اور اب سے کئی سال پہلے رسائل و مسائل حصہ دوم (صفحہ ۲۰-۲۳) میں اس کی تصریح کر چکا ہوں۔ بہرحال آپ مطمئن رہیں کہ نظرِ ثانی کے موقع پر اس عبارت میں ایسی اصلاح کر دی جائیگی کہ اس طرح کی کسی غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔

یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ دوسری صدی ہجری کے آغاز تک متعہ کا مسئلہ مختلف فیہ تھا، اور اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ آیا یہ قطعی حرام ہے، یا اس کی حرمت مردار اور خنزیر کی سی ہے جو اضطرار کی حالت میں جواز سے بدل سکتی ہو۔ اکثریت پہلی بات کی قائل تھی اور ایک چھوٹی سی اقلیت دوسری بات کی۔ بعد میں اہلِ سنت کے تمام اہلِ علم اس پر متفق ہوگئے کہ یہ قطعی حرام ہے۔ اور جواز بحالتِ اضطرار کا مسلک رد کر دیا گیا۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات نے اس کے مطلق حلال ہونے کا عقیدہ اختیار کیا اور اضطرار کیا معنی

ضرورت تک کی شرط باقی نہ رہنے دی۔ اس بحث میں جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ متعہ کی حرمت تو بہرحال ثابت ہے، اور مطلق حلت کا خیال کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ سلف کے ایک گروہ کی رائے میں اس کے جواز کی گنجائش اضطرار کی حالت کے لیے تھی لہٰذا متعہ کے قائلین اگر انہی کی رائے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں کم از کم اِس حد سے تو تجاوز نہ کرنا چاہیے۔

آپ نے متعہ کے بارے میں ابن عباس کے رجوع کا جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق گزارش ہے کہ اہل علم کے وہ اقوال میرے سامنے موجود ہیں جن میں اُن کے رجوع کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ مختلف فیہ ہے۔ اس بارے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابن عباس نے اپنی رائے کی غلطی مان لی تھی بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف مصلحتہً اس کے حق میں فتویٰ دینے سے پرہیز کرنے لگے تھے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر ابن بطال کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ روی اہل مکۃ والیمن عن ابن عباس اباحۃ المتعۃ، وروی عنہ الرجوع باسانید ضعیفۃ، واجازۃ المتعۃ عنہ اصح "اہل مکہ و یمن نے ابن عباس سے متعہ کی اباحت نقل کی ہے۔ اگرچہ اس قول سے ان کے رجوع کی روایات بھی آئی ہیں مگر ان کی سندیں ضعیف ہیں اور زیادہ صحیح روایات یہ ہیں کہ وہ اس کو جائز رکھتے تھے" آگے چل کر خود ابن حجر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا رجوع مختلف فیہ ہے (جلد ۹ صفحہ ۱۳۸)۔ علامہ ابن قیم اس معاملہ میں اپنی تحقیق جس طرح بیان کرتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصلحتہً فتویٰ دینے سے ان کے اجتناب ہی کو ان کا رجوع سمجھا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں فلما توسع فیھا من توسع ولم یقف عند الضرورۃ امسک ابن عباس عن الافتاء بحلھا ورجع عنہ "جب لوگ اس معاملے میں توسع برتنے لگے اور ضرورت تک انہوں نے اسے محدود نہ رکھا تو ابن عباس اس کی حلت کا فتویٰ دینے سے رک گئے اور اس سے رجوع کر لیا"۔ (زاد المعاد جلد دوم، صفحہ ۲۰۴)۔

چند الزامات

سوال:۔ ہمارے علاقہ ہزارہ میں ایک مولوی صاحب آپ کے خلاف تقریریں کرتے پھر رہے ہیں۔